© rasailojaraid.com

چلے جانے سے روکا اور اس فتنۂ عظیم کے سیلاب کا منہ پھیر اجواب سے تین چار سو برس پہلے ہی یہاں اسلام کا نام ونشان مٹا دیتا۔ اسکے علاوہ انہوں نے دو عظیم الشان کام اور بھی انجام دیئے۔ ایک یہ کہ تصوف کے چشمۂ صافی کو اُن آلائشوں سے جو فلسفیانہ اور راہبانہ گمراہیوں سے اُس میں سرایت کر گئی تھیں، پاک کرکے اسلام کا اصلی اور صحیح تصوف پیش کیا۔ دوسرے یہ کہ اُن تمام رسوم جاہلیت کی شدید مخالفت کی جو اُس وقت عوام میں پھیلی ہوئی تھیں اور سلسلۂ بیعت و ارشاد کے ذریعہ سے اتباعِ شریعت کی ایک ایسی تحریک پھیلائی جسکے ہزارہا تربیت یافتہ کارکنوں نے نہ صرف ہندوستان کے مختلف گوشوں میں، بلکہ وسط ایشیا تک پہنچ کر عوام کے اخلاق اور عقائد کی اصلاح کے لیے کوشش کی۔ یہی کام ہے جسکی وجہ سے شیخ سرہندی کا شمار مجددین ملت میں ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلوی

حضرت مجدد الف ثانی کی وفات کے ۴۰ سال بعد اور عالمگیر بادشاہ کی وفات سے چار سال پہلے نواح دہلی میں شاہ ولی اللہ صاحب پیدا ہوئے[1]۔ ایک طرف اُنکے زمانہ اور ماحول کو اور دوسری طرف اُنکے کام کو جب آدمی بالمقابل رکھ کر دیکھتا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اس دور میں اِس نظر، اِن خیالات اِس ذہنیت کا آدمی کیسے پیدا ہو گیا۔ فرخ سیر، محمد شاہ رنگیلے اور شاہ عالم کے ہندوستان کو کون نہیں جانتا اِس تاریک زمانہ میں نشوونما پاکر ایسا آزاد خیال مفکر و مبصر منظرِ عام پر آتا ہے جو زمانہ اور ماحول کی ساری بندشوں سے آزاد ہو کر سوچتا ہے، تقلیدی علم اور صدیوں کے جمے ہوئے تعصبات کے بند توڑ کر ہر مسئلۂ زندگی پر محققانہ و مجتہدانہ نگاہ ڈالتا ہے، اور ایسا لٹریچر چھوڑ کر جاتا ہے جسکی زبان، اندازِ بیان، خیالات، نظریات، مواد تحقیق اور نتائج مستخرجہ، کسی چیز پر بھی ماحول کا کوئی اثر دکھائی نہیں دیتا، حتیٰ کہ اسکے اوراق کی سیر کرتے ہوئے یہ گمان تک نہیں ہوتا کہ یہ چیزیں اُس جگہ لکھی گئی تھیں جسکے گرد وپیش عیاشی، نفس پرستی، قتل و

---

[1] پیدائش ۱۱۱۴ھ ۱۷۰۲ء - وفات ۱۱۷۶ھ ۱۷۶۳ء۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غارت، جبر و ظلم اور بدامنی و طوائف الملوکی کا طوفان برپا تھا۔

شاہ صاحب تاریخ انسانی کے ان لیڈروں میں سے ہیں جو خیالات کے الجھے ہوئے جنگل کو صاف کر کے فکر و نظر کی ایک صاف، سیدھی شاہراہ بناتے ہیں اور ذہن کی دنیا میں حالاتِ موجودہ کے خلاف ایسی بے چینی، اور تعمیر نو کا ایسا دل آویز نقشہ پیدا کر کے چلے جاتے ہیں جس کی وجہ سے ناگزیر طور پر تخریبِ فاسد و تعمیرِ صالح کے لیے ایک تحریک اٹھتی ہے۔ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ اس قسم کے لیڈر اپنے خیالات کے مطابق خود کوئی عملی تحریک اٹھاتے ہوں اور بگڑی ہوئی دنیا کو توڑ پھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے نئی دنیا بنانے کے لیے میدان میں نکل آتے ہوں۔ تاریخ میں اس کی مثالیں بہت ہی کم ملتی ہیں۔ اس طرز کے لیڈروں کا اصلی کارنامہ یہی ہوتا ہے کہ وہ تنقید سے صدہا برس کی جمی ہوئی غلط فہمیوں کا غبار چھانٹ دیتے ہیں، اذہان میں نئی روشنی پیدا کرتے ہیں، زندگی کے بگڑے ہوئے مگر پختہ بنے ہوئے سانچے کو عالمِ ذہنی میں توڑتے ہیں اور اس کے ملبے میں سے اصلی اور پائدار حقیقتوں کو نکال کر دنیا کے سامنے رکھ جاتے ہیں۔ یہ کام بجائے خود اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اس کی مشغولیتوں سے آدمی کو اتنی فرصت مشکل ہی سے مل سکتی ہے کہ خود میدان میں آ کر تعمیر کا عملی کام بھی کر سکے۔ اگرچہ شاہ صاحب تفہیمات الٰہیہ میں ایک جگہ اشارہ کرتے ہیں کہ اگر موقع و محل کا اقتضا ہوتا تو میں جنگ کر کے عملاً اصلاح کرنے کی قابلیت بھی رکھتا تھا۔[1] مگر واقعہ یہی ہے کہ انہوں نے اس طرز کا کوئی کام نہیں کیا۔ بلکہ اپنے خیالات کی دنیا میں ان کا انہماک اتنا بڑھا ہوا تھا کہ خود اُن کے اپنے گھر اور اُن کے قریبی حلقہ

[1] تفہیمات جلد اول ص ۱۰۱: فلو فرض ان یکون ھٰذا الرجل فی زمان واقتضت الاسباب ان یکون اصلاح الناس باقامۃ الحروب ونفث فی قلبہ اصلاحھم لقام ھٰذا الرجل بامر الحرب اتم قیام وکان اما مًا فی الحرب لا یقاس بالرستم والاسفندیار بل الرستم والاسفندیار وغیرھما طفیلیون علیہ مستمدون منہ مقتدون بہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں بہت سے غیر اسلامی طریقے رائج تھے اور وہ انکی اصلاح پر بھی توجہ صرف کرنے سے معذور رہے۔ مثلاً السلام علیکم تک کا رواج اُنکے گھر میں نہ تھا۔ "رفیع الدین آداب بجالاتا ہے"، "عبدالقادر تسلیمات عرض کرتا ہے" سلام مسنون کے بجائے اس قسم کے فقرے بولے جاتے تھے۔ شاہ صاحب کی پوتی اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی صاحبزادی جوان بیوہ بیٹھی ہوئی تھیں اور نکاح ثانی میں انہیں اسلیے تامل تھا کہ ہندوانہ جاہلیت اِسے معیوب سمجھتی تھی۔ بی بی کی صحنک اور اسی قسم کی نیاز نذر کا سلسلہ خود اس خاندان کی خواتین میں جاری تھا۔[1] یہ سب باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ شاہ صاحب کی ساری قوتوں کو تنقید و تعمیرِ افکار کے بھاری کام نے بالکل اپنے اندر جذب کر رکھا تھا اور انکو اس کارِ عظیم سے اتنی مہلت بھی نہ ملتی تھی کہ اپنے قریب ترین ماحول کی طرف ہی توجہ کر سکتے۔ جیسا کہ آگے چل کر عرض کیا جائیگا، اُن کے صاف کیے ہوئے راستہ پر عملی جدوجہد کرنے کے لیے کچھ دوسرے لوگوں کی ضرورت تھی، اور وہ نصف صدی کے اندر خود انہی کے حلقۂ تعلیم و تربیت سے نشوونما پاکر اٹھے۔

شاہ صاحب کے تجدیدی کارنامے کو ہم دو بڑے عنوانات پر تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک عنوان تنقید و تنقیح کا، اور دوسرا عنوان تعمیر کا۔ میں ان دونوں کو الگ الگ بیان کرونگا۔

---

[1] مولانا محمد منظور صاحب مدیر "الفرقان" نے مجھے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ شاہ صاحب اور انکے خاندان کے متعلق یہ روایات کچھ زیادہ معتبر نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ بیانات یا ان میں سے اکثر غلط ہوں۔ مجھے اِن کے صحیح ہونے پر اصرار نہیں ہے۔ مگر جو بات میں ثابت کرنا چاہتا ہوں وہ بجائے خود حقیقت ہے۔ شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ساری زندگی اس پر شاہد ہے کہ وہ تمام عمر تنقیح و تنقید اور تعمیرِ افکار کے کام میں منہمک رہے اور دعوتِ عامہ کی طرف توجہ کرنے کا ان کو موقع ہی نہیں ملا۔ تطہیر و تعمیرِ فکر اپنی جگہ خود ایک بہت بڑا کام ہے۔ اور دعوتِ عامہ کا کام اس سے مختلف ایک دوسری نوعیت کا کام ہے۔ بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص یہ دونوں کام ایک ساتھ انجام دے سکے۔ اور اگر کسی شخص نے صرف پہلا کام کیا ہو اور دوسرا کام نہ کر سکا ہو تو اس سے اسکی عظمت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے نتائج کو بھی جس صراحت کے ساتھ انہوں نے پیش کیا ہے وہ اگلوں کے کلام میں مفقود ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"ارکان اسلام کی اقامت میں فتور عظیم برپا ہو گیا۔۔۔ حضرت عثمانؓ کے بعد کسی فرمانروا نے حج قائم نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اپنے نائب ہی مقرر کر کے بھیجتے رہے، حالانکہ اقامتِ حج خلافت کے لوازم میں سے ہے۔ جس طرح تخت پر بیٹھنا، تاج پہننا اور شاہانِ گذشتہ کی نشست میں بیٹھنا قیصر و کسریٰ کے لیے علامت پادشاہی تھا اسی طرح حج خود اپنی امارت میں قائم کرنا اسلام میں علامتِ خلافت ہے۔"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"پہلے وعظ اور فتویٰ دونوں خلیفہ کی رائے پر موقوف تھے۔ خلیفہ کی اجازت کے بغیر نہ وعظ کہا جا سکتا تھا اور نہ کوئی شخص فتویٰ دینے کا مجاز تھا۔ مگر اس انقلاب کے بعد وعظ اور فتویٰ دونوں اس نگرانی سے آزاد ہو گئے بلکہ بعد میں تو فتویٰ دینے کے لیے جماعت صالحین کے مشورے کی قید بھی نہ رہی۔"

پھر فرماتے ہیں:

"ان لوگوں کی حکومت مجوسیوں کی حکومت کے مانند رہی ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ یہ نماز پڑھتے اور کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرتے رہے ہیں۔ ہم اسی تغیر کے دامن میں پیدا ہوئے ہیں، معلوم نہیں آگے چل کر خدائے تعالیٰ کیا دکھانا چاہتا ہے۔"

رہی دوسری خرابی تو شاہ صاحب نے ازالہ میں، حجت میں، بدور بازغہ میں، تفہیمات میں، مسوّیٰ اور مصفّیٰ میں، اور قریب قریب اپنی ہر تصنیف میں اس پر ماتم کیا ہے۔

ازالہ میں فرماتے ہیں:-

"دولتِ شام (اموی سلطنت) کے خاتمہ تک کوئی اپنے آپ کو حنفی یا شافعی نہ کہتا تھا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلکہ سب اپنے اپنے ائمہ اور اساتذہ کے طریقہ پر دلائل شرعی سے استنباط کرتے تھے۔ دولتِ عراق (عباسی سلطنت) کے زمانہ میں ہر ایک نے اپنا ایک نام معین کیا اور یہ کیفیت ہو گئی کہ جب تک اپنے مذہب کے بڑوں کی نص نہ پاتے کتاب و سنت کی دلیل پر حکم نہ کرتے اس طرح وہ اختلافات جو ادلِ کتاب و سنت کے مقتضا سے ناگزیر طور پر پیدا ہوتے تھے، مضبوط بنیادوں پر جم گئے۔ پھر جب دولتِ عرب کا خاتمہ ہو گیا (یعنی ترکی اقتدار کا زمانہ آیا) اور لوگ مختلف ممالک میں منتشر ہوئے تو ہر ایک نے جو کچھ اپنے مذہب فقہی سے یاد کیا تھا اُسی کو اصل بنا لیا۔ پہلے جو چیز مذہبِ مستنبط تھی اب وہ سنت مستقرہ بن گئی۔ اب ان کے علم کا مدار اس پر رہ گیا کہ تخریج پر تخریج کریں اور تفریع پر تفریع" مصفّٰی میں لکھتے ہیں :-

"ہمارے زمانہ کے سادہ لوح اجتہاد سے بالکل برگشتہ ہیں۔ اونٹ کی طرح ناک میں نکیل پڑی ہے اور کچھ نہیں جانتے کہ کدھر جا رہے ہیں۔ اِن کا کاروبار ہی دوسرا ہے۔ یہ بیچارے ان امور کی سمجھ بوجھ کے لیے مکلّف ہی نہیں ہیں۔"

حجت کے مبحث ہفتم میں اور انصاف میں شاہ صاحب نے اس مرض کی پوری تاریخ بیان کی ہے اور ان خرابیوں کی نشان دہی کی ہے جو اسکی بدولت پیدا ہوئیں۔

تاریخی تنقید کے بعد شاہ صاحب اپنے زمانہ کی حالت کا جائزہ لیتے ہیں اور ایک ایک گروہ کو نام بنام پکار کر اسکے نقائص بیان کرتے ہیں۔ تفہیمات میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-

"یہ وصی (یعنی خود شاہ صاحب) ایسے زمانہ میں پیدا ہوا ہے جبکہ لوگوں میں تین چیزیں خلط ملط ہو گئی ہیں:

(۱) دلیل بازی اور یہ یونانی علوم کے اختلاط کی بدولت ہے۔ لوگ کلامی مباحث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مشغول ہو گئے ہیں یہاں تک کہ عقائد میں کوئی گفتگو ایسی نہیں ہوتی جو استدلالی مناظرات سے خالی ہو۔

(۲) وجدان پرستی، اور یہ صوفیوں کی مقبولیت اور انکی حلقہ بگوشی کی وجہ سے ہے جس نے مشرق سے مغرب تک لوگوں کو گھیر رکھا ہے، یہاں تک کہ ان حضرات کے اقوال و احوال لوگوں کے دلوں پر کتاب و سنت اور ہر چیز سے زیادہ تسلط رکھتے ہیں۔ ان کے رموز و اشارات اس قدر دخل پا گئے ہیں کہ جو شخص ان رموز و اشارات کا انکار کرے یا ان سے خالی ہو وہ نہ مقبول ہوتا ہے، نہ صالحین میں شمار ہوتا ہے۔ منبروں پر کوئی واعظ ایسا نہیں جسکی تقریر اشارات صوفیہ سے پاک ہو، اور درس کی مسندوں پر کوئی عالم ایسا نہیں جو ان کے کلام میں اعتقاد اور غور و خوض کا اظہار نہ کرے، اور نہ اس کا شمار گروہوں میں ہونے لگتا ہے۔ پھر امراء و رؤساء وغیرہ کی کوئی مجلس ایسی نہیں جنکے ہاں لطف کلام اور بذلہ سنجی اور تفنن طبع کے لیے صوفیہ کے اشعار اور نکات کھلونا بنے ہوئے نہ ہوں۔

(۳) طاعت، اور یہ اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ ملت اسلامیہ میں داخل ہیں۔

پھر اس زمانہ کی ایک بیماری یہ ہے کہ ہر ایک اپنی رائے پر چلتا ہے اور بگ ٹٹ چلا جا رہا ہے، نہ متشابہات پر جا کر رکتا ہے اور نہ کسی ایسے امر میں دخل دینے سے باز رہتا ہے جو اسکے علم سے بالاتر ہو۔ احکام کے معانی اور اسرار پر ہر ایک اپنی عقل سے کلام کر رہا ہے اور جو کچھ جس نے سمجھ لیا ہے اس پر دوسروں سے مناظرہ و مباحثہ کر رہا ہے۔ دوسری بیماری یہ ہے کہ فقہ میں حنفی، شافعی وغیرہم کے سخت اختلافات پائے جاتے ہیں، ہر ایک اپنے طریقہ میں تعصب برتتا ہے اور دوسروں کے طریقہ پر اعتراض کرتا ہے۔ ہر مذہب میں تخریجات کی کثرت ہے اور حق اس غبار میں چھپ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گیا ہے“۔

اسی کتاب میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-

”میں ان پیرزادوں سے ، جو کسی استحقاق کے بغیر باپ دادا کی گدیوں پر بیٹھے ہیں ، کہتا ہوں کہ یہ کیا دھڑے بندیاں تم نے کر رکھی ہیں ؟ کیوں تم میں سے ہر ایک اپنے طریقہ پر چل رہا ہے اور کیوں اُس طریقہ کو سب نے چھوڑ رکھا ہے جسے اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا تھا ؟ تم میں سے ہر ایک امام بن بیٹھا ہے ، اپنی طرف لوگوں کو بلا رہا ہے اور اپنے آپ کو ہادی و مہدی سمجھتا ہے حالانکہ وہ ضال و مضل ہے ۔ ہم ہرگز ان لوگوں سے راضی نہیں ہیں جو دنیا کے فوائد کی خاطر لوگوں سے بیعت لیتے ہیں یا اسلیے علم حاصل کرتے ہیں کہ اغراض دنیوی حاصل کریں ، یا لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیتے ہیں اور اپنی خواہشات نفس کی اطاعت ان سے کراتے ہیں ۔ یہ سب رہزن ہیں ، دجال ہیں ، کذاب ہیں ، خود بھی دھوکے میں ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں ....

میں اُن طالبانِ علم سے کہتا ہوں جو اپنے آپ کو علماء کہتے ہیں کہ بے وقوفو ! تم یونانیوں کے علوم اور صرف و نحو و معانی میں پھنس گئے اور سمجھے کہ علم اس کا نام ہے ، حالانکہ علم تو کتاب اللہ کی آیت محکمہ ہے ، یا وہ سنت ہے جو رسول سے ثابت ہو ...... تم پچھلے فقہاء کے استحسانات اور تفریعات میں ڈوب گئے ۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ حکم صرف وہ ہے جو اللہ اور اسکے رسول نے فرمایا ہو ؟ تم میں سے اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کسی کو نبی کی کوئی حدیث پہنچتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرا عمل تو فلاں کے مذہب پر ہے نہ کہ حدیث پر ۔ پھر وہ حیلہ یہ پیش کرتا ہے کہ ”صاحب حدیث کا فہم اور اس کے مطابق فیصلہ تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کاملین و ماہرین کا کام ہے، اور یہ حدیث ائمۂ سلف سے چھپی تو رہی نہ ہوگی، پھر کوئی وجہ تو ہوگی کہ انہوں نے اِسے ترک کر دیا۔ جان رکھو کہ یہ ہرگز دین کا طریقہ نہیں ہے۔ اگر تم اپنے نبی پر ایمان لائے ہو تو اس کا اتباع کرو خواہ کسی مذہب کے موافق ہو یا مخالف......

میں ان متقشف واعظوں، عابدوں اور خانقاہ نشینوں سے کہتا ہوں کہ اے زہد کے مدعیو! تم ہر وادی میں بھٹک نکلے اور ہر رطب و یابس کو لے بیٹھے۔ تم نے لوگوں کو موضوعات اور اباطیل کی طرف بلایا۔ تم نے خلق خدا پر زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا حالانکہ تم فراخی کے لیے مامور تھے نہ کہ تنگی کے لیے۔ تم نے مغلوب الحال عشاق کی باتوں کو اپنا مدار علیہ بنا لیا ہے حالانکہ یہ چیزیں پھیلانے کی نہیں، لپیٹ کر رکھ دینے کی ہیں۔.....

میں امراء سے کہتا ہوں کہ تمہیں خدا کا خوف نہیں آتا؟ تم فانی لذتوں کی طلب میں مستغرق ہو گئے اور رعیت کو چھوڑ دیا کہ ایک دوسرے کو کھا جائے۔ علانیہ شرابیں پی جا رہی ہیں اور تم نہیں روکتے۔ زنا کاری، شراب خواری اور قمار بازی کے اڈے برسرِ عام بن گئے ہیں اور تم ان کا انسداد نہیں کرتے۔ اس عظیم الشان ملک میں مدتہائے دراز سے کوئی حدِ شرعی نہیں لگائی گئی۔ جس کو تم ضعیف پاتے ہو اسے کھا جاتے ہو اور جسے قوی پاتے ہو اسے چھوڑ دیتے ہو۔ کھانوں کی لذت، عورتوں کے ناز و انداز، کپڑوں اور مکانوں کی لطافت، بس یہ چیزیں ہیں جن میں تم ڈوب گئے ہو۔ کبھی خدا کا خیال تمہیں نہیں آتا......

میں ان فوجی آدمیوں سے کہتا ہوں کہ تم کو تو اللہ نے جہاد کے لیے، اعلائے کلمۂ حق کے لیے، شرک و اہل شرک کا زور توڑنے کے لیے بنایا تھا۔ اس کو چھوڑ کر تم نے گھوڑ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سواری اور ہتھیار بندی کو پیشہ بنالیا۔ اب جہاد کی نیت اور قصد سے تمہارے دل خالی ہیں۔ پیسہ کمانے کے لیے سپاہی گری کا پیشہ کرتے ہو۔ بھنگ اور شراب پیتے ہو۔ ڈاڑھیاں منڈاتے اور مونچھیں بڑھاتے ہو۔ بندگانِ خدا پر ظلم ڈھاتے ہو۔ اور تمہیں کبھی اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ حرام کی روٹی کما رہے ہو یا حلال کی۔ خدا کی قسم تمہیں ایک روز دنیا سے جانا ہے، پھر اللہ تمہیں بتائیگا کہ کیا کرکے آئے ہو۔ ......

میں ان اہلِ حرفہ اور عوام سے کہتا ہوں کہ تم میں سے امانت و دیانت رخصت ہو گئی ہے، اپنے رب کی عبادت سے تم غافل ہو گئے ہو، اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگے ہو۔ تم غیر اللہ کے لیے قربانیاں کرتے ہو اور مدار صاحب اور سالار صاحب کی قبروں کا حج کرتے ہو۔ یہ تمہارے بدترین افعال ہیں۔ تم میں سے جو کوئی خوشحال ہو جاتا ہے وہ اپنے لباس اور کھانے پر اتنا خرچ کرتا ہے کہ اسکی آمدنی اسکے لیے کافی نہیں ہوتی اور اہل و عیال کی حق تلفی کرنی پڑتی ہے، یا پھر وہ شراب نوشی اور کرایہ کی عورتوں میں اپنی معاش اور معاد دونوں کو ضائع کرتا ہے۔ ......

پھر میں مسلمانوں کی تمام جماعتوں کو عام خطاب کرکے کہتا ہوں کہ اے بنی آدم! تم نے اپنے اخلاق کھو دیے، تم پر تنگ دلی چھا گئی اور شیطان تمہارا محافظ بن گیا۔ عورتیں مردوں پر حاوی ہو گئی ہیں اور مردوں نے عورتوں کو ذلیل بنا رکھا ہے۔ حرام میں تمہیں مزا آتا ہے اور حلال تمہارے لیے بدمزہ بن گیا ہے۔ .... اے بنی آدم! تم نے ایسی فاسد رسمیں اختیار کر لی ہیں جن سے دین متغیر ہو گیا ہے۔ مثلاً روز عاشورا کو تم جمع ہو کر باطل حرکات کرتے ہو۔ ایک جماعت نے اس دن کو ماتم کا دن بنا رکھا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ سب دن اللہ کے ہیں اور سارے حوادث اللہ کی مشیت سے ہوتے ہیں؟ اگر حسین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رضی اللہ عنہ اس روز شہید کیے گئے تو اور کونسا دن ہے جس میں کسی محبوبِ خدا کی موت واقع نہ ہوئی ہو؟ کچھ لوگوں نے اس دن کو کھیل تماشوں کا دن بنالیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اسے مذہبی مناسک کا دن بنا رکھا ہے۔ پھر تم شب برات میں جاہل قوموں کی طرح کھیل تماشے کرتے ہو اور تم میں ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اس روز مردوں کو کثرت سے کھانا بھیجنا چاہیے۔ اگر تم سچے ہو تو اپنے اس خیال اور ان حرکات کے لیے کوئی دلیل لاؤ۔ پھر تم نے ایسی رسمیں بنا رکھی ہیں جن سے تمہاری زندگی تنگ ہو رہی ہے، مثلاً شادیوں میں فضول خرچی، طلاق کو ممنوع بنا لینا، بیوہ عورت کو بٹھا رکھنا۔ اس قسم کی رسموں میں تم اپنے مال اور اپنی زندگیوں کو خراب کر رہے ہو اور ہدایتِ صالحہ کو تم نے چھوڑ دیا ہے، حالانکہ بہتر یہ تھا کہ ان رسموں کو چھوڑ کر اس طریقہ پر چلتے جس میں سہولت تھی نہ کہ تنگی۔ پھر تم نے موت اور غمی کو عید بنا رکھا ہے، گویا تم پر کسی نے فرض کر دیا ہے کہ جب کوئی مرے تو اسکے اقربا خوب کھانے کھلائیں۔ تم نمازوں سے غافل ہو، کوئی اپنے کاروبار میں اتنا مشغول ہوتا ہے کہ نماز کے لیے وقت نہیں پاتا اور کوئی اپنی تفریحوں اور خوش گپیوں میں اتنا منہمک ہوتا ہے کہ نماز فراموش ہو جاتی ہے۔ تم زکوٰۃ سے بھی غافل ہو، تم میں کوئی مالدار ایسا نہیں جسکے ساتھ بہت سے کھانے والے لگے ہوئے نہ ہوں، وہ ان کو کھلاتا اور پہناتا ہے مگر زکوٰۃ اور عبادت کی نیت نہیں کرتا۔ تم رمضان کے روزے بھی ضائع کرتے ہو اور اسکے لیے طرح طرح کے بہانے بناتے ہو۔ تم لوگ سخت بے تدبیر ہو گئے ہو۔ تم نے اپنی بسر اوقات کا انحصار سلاطین کے وظائف و مناصب پر کر رکھا ہے اور جب تمہارا بار سنبھالنے کے لیے سلاطین کے خزانے کافی نہیں ہوتے تو وہ رعیت کو تنگ کرنے لگتے ہیں۔۔۔۔۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک اور تفہیم میں فرماتے ہیں :-

" جو لوگ حاجتیں طلب کرنے کے لیے اجمیر یا سالار مسعود کی قبر یا ایسے ہی دوسرے مقامات پر جاتے ہیں وہ اتنا بڑا گناہ کرتے ہیں کہ قتل اور زنا کا گناہ اس سے کمتر ہے آخر اس میں اور خود ساختہ معبودوں کی پرستش میں فرق کیا ہے؟ جو لوگ لات اور عُزّیٰ سے حاجتیں طلب کرتے تھے اُن کا فعل ان لوگوں کے فعل سے آخر کس طرح مختلف تھا؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم اُنکے برعکس اِن لوگوں کو صاف الفاظ میں کافر کہنے سے احتراز کرتے ہیں کیونکہ خاص اِن کے معاملہ میں شارع کی نص موجود نہیں ہے۔ مگر اصولاً ہر وہ شخص جو کسی مُردے کو زندہ ٹھیرا کر اُس سے حاجتیں طلب کرتا ہے اُس کا دل گناہ میں مبتلا ہے "

یہ اقتباسات بہت طویل ہو گئے ہیں، مگر تفہیمات جلد دوم کے چند فقرے اور تقاضا کر رہے ہیں کہ ان کو بھی اس سلسلہ میں ناظرین تک پہنچا دیا جائے۔ فرماتے ہیں :-

" نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ تم مسلمان بھی آخر کار اپنے سے پہلے کی امتوں کے طریقے اختیار کرو گے اور جہاں جہاں انہوں نے قدم رکھا ہے وہاں تم بھی قدم رکھو گے حتیٰ کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں گھسے ہیں تو تم بھی اُنکے پیچھے جاؤ گے۔ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ پہلی امتوں سے آپکی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ حضور نے فرمایا اور کون؟ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

سچ فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ ضعیف الایمان مسلمان دیکھے ہیں جنہوں نے صلحاء کو ارباب من دون اللہ بنا لیا ہے اور یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے۔ ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو کلام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شارع میں تحریف کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ نیک لوگ اللہ کے لیے ہیں اور گناہگار میرے لیے۔ یہ اُسی قسم کی بات ہے جیسی یہودی کہتے تھے کہ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً (ہم دوزخ میں نہ جائینگے اور گئے بھی تو بس چند روز کے لیے)۔ سچ پوچھو تو آج ہر گروہ میں دین کی تحریف پھیلی ہوئی ہے۔ صوفیہ کو دیکھو تو ان میں ایسے اقوال زبان زد ہیں جو کتاب و سنت سے مطابقت نہیں رکھتے، خصوصاً مسئلۂ توحید میں۔ اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شرع کی انہیں بالکل پروا نہیں ہے۔ فقہاء کی فقہ کو دیکھو تو اس میں اکثر وہ باتیں ملتی ہیں جنکے ماخذ کا پتہ ہی نہیں، مثلاً دہ در دہ کا مسئلہ[1] اور کنووں کی طہارت کا مسئلہ[2]۔ رہے اصحاب معقول اور شعراء اور اصحابِ ثروت اور عوام تو ان کی تحریفات کا ذکر کہاں تک کیا جائے۔"

ان اقتباسات سے ایک دھندلا سا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ شاہ صاحب نے مسلمانوں کے ماضی اور حال کا کس قدر تفصیلی جائزہ لیا ہے اور کس قدر جامعیت کے ساتھ اُن پر تنقید کی ہے۔ اس قسم کی تنقید کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی میں جتنے صالح عناصر موجود ہوتے ہیں، جنکے ضمیر و ایمان میں زندگی اور جنکے قلب میں برے اور بھلے کی تمیز ہوتی ہے، ان کو حالات کی خرابی کا احساس سخت مضطرب کر دیتا ہے۔ انکی اسلامی حس اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ اپنے گرد و پیش کی زندگی میں جاہلیت کا ہر اثر انہیں کھٹکنے لگتا ہے۔ انکی قوتِ امتیاز اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر پہلو میں اسلام اور جاہلیت کی آمیزشوں کو تحلیل کرنے لگتے ہیں۔ اور انکی قوت ایمانی اس قدر بیدار ہو جاتی ہے کہ خار زار جاہلیت کی ہر کھٹک انہیں

---

[1] یعنی یہ مسئلہ کہ دس ہاتھ لمبا دس ہاتھ چوڑا حوض ہو تب اس کا پانی ماء کثیر ہوگا۔

[2] یعنی یہ مسئلہ کہ کنویں میں کس جانور کے گرنے پر کتنے ڈول پانی کے نکالے جائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصلاح کے لیے بے چین کر دیتی ہے۔ اسکے بعد مجدد کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ان کے سامنے تعمیر نو کا ایک نقشہ واضح صورت میں پیش کرے تاکہ حالت موجودہ کو جس حالت سے بدلنا مطلوب ہے اُس پر وہ اپنی نظر جما سکیں اور اپنی تمام سعی و عمل کو اسی سمت میں مرکوز کر دیں۔ یہ تعمیری کام بھی شاہ صاحب نے اُسی خوبی اور جامعیت کے ساتھ انجام دیا جو اُنکے تنقیدی کام میں آپ دیکھ چکے ہیں۔

تعمیر کے سلسلہ میں ان کا پہلا اہم کام یہ ہے کہ وہ فقہ میں ایک نہایت معتدل مسلک پیش کرتے ہیں جس میں کسی ایک مذہب کی جانب داری اور دوسرے مذاہب پر نکتہ چینی نہیں پائی جاتی۔ ایک محقق کی طرح انہوں نے تمام مذاہب فقہیہ کے اصول اور طریق استنباط کا مطالعہ کیا ہے اور بالکل آزادانہ رائے قائم کی ہے۔ جس مذہب کی کسی مسئلہ میں تائید کی، اس بنا پر کی کہ دلیل اسکے حق میں پائی، نہ اس بنا پر کہ وہ اس مذہب کی وکالت کا عہد کر چکے ہیں۔ اور جس سے اختلاف کیا، اس بنا پر کیا کہ دلیل اس کے خلاف پائی، نہ اس بنا پر کہ اُنہیں اُس سے عناد ہے۔ اسی وجہ سے کہیں وہ حنفی نظر آتے ہیں، کہیں شافعی، کہیں مالکی اور کہیں حنبلی۔ انہوں نے اُن لوگوں سے بھی اختلاف کیا ہے جو ایک مذہب کی پیروی کا قلادہ اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں اور قسم کھا لیتے ہیں کہ تمام مسائل میں اسی کا اتباع کرینگے۔ اور اسی طرح وہ اُن سے بھی سخت اختلاف کرتے ہیں جنہوں نے ائمۂ مذاہب میں سے کسی کی مخالفت کا عہد کر لیا ہے۔ ان دونوں کے بین بین وہ ایک ایسے معتدل راستہ پر چلتے ہیں جس میں ہر غیر متعصب طالب حق کو اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ ان کا رسالہ انصاف اس مسلک کا آئینہ ہے۔ یہی رنگ مصفیٰ اور انکی دوسری کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ تفہیمات میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

"میرے دل میں ایک خیال ڈالا گیا ہے اور اسکی تفصیل یہ ہے کہ ابو حنیفہ اور شافعی کے مذہب امت میں سب سے زیادہ مشہور ہیں۔ سب سے زیادہ پیرو بھی انہی دونوں کے پائے جاتے ہیں اور تصنیفات بھی انہی مذاہب کی زیادہ ہیں۔ فقہاء، محدثین، مفسرین،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متکلمین اور صوفیہ زیادہ تر مذہب شافعی کے پیرو ہیں - اور حکومتیں اور عوام زیادہ تر مذہب حنفی کے متبع ہیں - اس وقت جو امر حق ملا ر اعلیٰ کے علوم سے مطابقت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں کو ایک مذہب کی طرح کر دیا جائے - دونوں کے مسائل کو حدیثِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعوں سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے - جو کچھ ان کے موافق ہو وہ باقی رکھا جائے اور جسکی کوئی اصل نہ ملے اسے ساقط کر دیا جائے - پھر جو چیزیں تنقید کے بعد ثابت نکلیں ، اگر وہ دونوں مذہبوں میں متفق علیہ ہوں تو وہ اس لائق ہیں کہ انہیں دانتوں سے پکڑ لیا جائے - اور اگر ان میں دونوں کے درمیان اختلاف ہو تو مسئلے میں دونوں قول تسلیم کیے جائیں اور دونوں پر عمل کرنے کو صحیح قرار دیا جائے - یا تو ان کی حیثیت ایسی ہوگی جیسی قرآن میں اختلاف قرأت کی حیثیت ہے ، یا رخصت اور عزیمت کا فرق ہوگا ، یا کسی مخمصہ سے نکلنے کے دو راستوں کی سی نوعیت ہوگی جیسے تعدد کفّارات ، یا دو برابر کے مباح طریقوں کا سا حال ہوگا - ان چار پہلوؤں کے باہر کوئی پہلو انشاء اللہ تعالیٰ نہ پایا جائیگا"

انصاف میں انہوں نے اپنی رائے اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ دی ہے چنانچہ باب ۶ میں واعلم ان التخریج علی کلام الفقھاء سے لیکر آخر باب تک جو کچھ لکھا ہے وہ اس لائق ہے کہ اہل الحدیث اور اہلِ تخریج دونوں اسکو غور کی نگاہ سے دیکھیں - اس بحث میں انہوں نے جس طریقہ کو ترجیح دی ہے وہ یہ ہے کہ طریق اہل حدیث اور طریق اہل تخریج ، دونوں کو جمع کیا جائے - اسی طرح حجت کے مبحث ہفتم میں فصل ومما یناسب ھذا المقام التنبیہ علی مسائل ضلت فی بوادیھا الافہام کے تحت جو بحث کی ہے وہ بھی دیکھنے کے لائق ہے -

یہ مسلکِ معتدل اختیار کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ تعصب اور تنگ نظری اور تقلید جامد او لاطائل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بحثوں میں تضیع اوقات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور وسعتِ نظر کے ساتھ تحقیق و اجتہاد کا راستہ کھلتا ہے۔ چنانچہ اسکے ساتھ ہی شاہ صاحب اجتہاد کی ضرورت پر زور دیتے ہیں، اور قریب قریب انکی تمام کتابوں میں ایسی عبارتیں موجود ہیں جن میں کسی نہ کسی طرح تحقیق و اجتہاد پر اکسایا گیا ہے۔ مثال کے طور پر مصفّیٰ کے مقدمہ سے چند فقرے انہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں:

"اجتہاد در ہر عصر فرض بالکفایہ است۔ و مراد از اجتہاد اینجا...... معرفت احکام شرعیہ از ادلۂ تفصیلیہ و تفریع و ترتیبِ مجتہدانہ اگرچہ بارشاد صاحبِ مذہبے بودہ باشد۔ و آنکہ گفتیم اجتہاد در ہر عصر فرض است، بجہت آنست کہ مسائل کثیرۃ الوقوع غیر محصور اند، و معرفت احکام الٰہی در انہا واجب، و آنچہ مسطور و مدون شدہ است غیر کافی، و در انہا اختلاف بسیار کہ بدون رجوع بادلّہ حلِّ اختلافِ آں نتواں کرد، و طُرُقِ آں تا مجتہدین غالباً منقطع، پس بغیر عرض بر قواعدِ اجتہاد راست نیاید"۔

یہی نہیں کہ شاہ صاحب نے اجتہاد پر محض زور ہی دیا ہو، بلکہ انہوں نے پوری تفصیل کے ساتھ اجتہاد کے اصول و قواعد اور اسکی شرائط کو بیان بھی کیا ہے۔ ازالہ، حجت، عقد الجید، انصاف، بدور بازغہ، مصفّیٰ وغیرہ میں اس مسئلہ پر کہیں اشارات اور کہیں مفصل تقریریں موجود ہیں۔ نیز اپنی کتابوں میں جہاں بھی انہوں نے کسی مسئلہ پر گفتگو کی ہے ایک محقق اور مجتہد کی حیثیت سے کی ہے، اگو یا اُن کی کتابوں کے مطالعہ سے آدمی کو نہ صرف اجتہاد کے اصول معلوم ہو سکتے ہیں بلکہ ساتھ ساتھ اسکی تربیت بھی مل جاتی ہے۔

مذکورۂ بالا دو کام تو ایسے ہیں جو شاہ صاحب سے پہلے بھی لوگوں نے کیے ہیں، مگر جو کام ان سے پہلے کسی نے نہ کیا تھا وہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے پورے فکری، اخلاقی، شرعی اور تمدنی نظام کو ایک مرتب صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ وہ کارنامہ ہے جس میں وہ اپنے تمام پیش رووں سے بازی لے گئے ہیں۔ اگرچہ ابتدائی تین چار صدیوں میں بکثرت ایسے ائمہ گذرے ہیں جنکے کام کو دیکھنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ذہن میں اسلام کے نظام حیات کا مکمل تصور رکھتے ہیں، اور اسی طرح بعد کی صدیوں میں بھی ایسے محققین ملتے ہیں جن کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس تصور سے خالی تھے، لیکن ان میں سے کسی نے بھی جامعیت اور منطقی ترتیب کے ساتھ اسلامی نظام کو بحیثیت ایک نظام کے مرتب کرنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ یہ شرف شاہ ولی اللہ ہی کے لیے مقدر ہو چکا تھا کہ اس راہ میں پیش قدمی کریں۔ انکی کتابوں میں سے حجۃ اللہ اور البدور البازغہ، دونوں کا موضوع یہی ہے پہلی کتاب زیادہ مفصل ہے اور دوسری زیادہ فلسفیانہ۔

ان کتابوں میں انہوں نے مابعد الطبیعی مسائل سے ابتدا کی ہے اور تاریخ میں پہلی مرتبہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص فلسفۂ اسلام کو مدون کرنے کی بنا ڈال رہا ہے۔ اس سے پہلے مسلمان فلسفہ میں جو کچھ لکھتے اور کہتے رہے اس کو محض نادانی سے لوگوں نے "فلسفۂ اسلام" کے نام سے موسوم کر رکھا ہے، حالانکہ وہ فلسفۂ اسلام نہیں، فلسفۂ مسلمین ہے جس کا شجرۂ نسب یونان و روم اور ایران و ہندوستان سے ملتا ہے۔ فی الواقع جو چیز اس نام سے موسوم کرنے کے لائق ہے اسکی داغ بیل سب سے پہلے اسی دہلوی شیخ نے ڈالی ہے۔ اگرچہ اصطلاحات وہی قدیم فلسفہ و کلام یا فلسفیانہ تصوف کی زبان سے لی ہیں، اور غیر شعوری طور پر بہت سے تخیلات بھی وہیں سے آگئے ہیں، جیسا کہ اول اول ہر نئی راہ نکالنے والے کے لیے طبعاً ناگزیر ہے، مگر پھر بھی تحقیق کا ایک نیا دروازہ کھولنے کی یہ ایک بڑی زبردست کوشش ہے، خصوصاً ایسے شدید انحطاط کے دور میں اتنی طاقتور عقلیت کے آدمی کا ظاہر ہونا بالکل حیرت انگیز ہے۔

اس فلسفہ میں شاہ صاحب کائنات کا اور کائنات میں انسان کا ایک ایسا تصور قائم کرنے کی سعی کرتے ہیں جو اسلام کے نظام اخلاق و تمدن کے ساتھ ہم آہنگ و متحد المزاج ہو سکتا ہو، یا دوسرے الفاظ میں جس کو اگر شجرۂ اسلام کی جڑ قرار دیا جائے تو جڑ میں، اور اُس درخت میں جو اس سے پھوٹتا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عقلاً کوئی فطری مباینت محسوس نہ کی جا سکتی ہو ----- میں حیران رہ جاتا ہوں جب سنتا ہوں کہ شاہ صاحب نے ویدانتی فلسفہ اور اسلامی فلسفہ کا جوڑ لگا کر نئی ہندی قومیت کے لیے فکری اساس فراہم کرنے کی کوئی کوشش کی تھی - مجھے ان کی کتابوں میں اس کوشش کا کہیں سراغ نہ ملا - اور اگر مل جاتا تو باللہ العظیم کہ میں شاہ صاحب کو مجددین کی فہرست سے خارج کر کے متجددین کی صف میں لے جا کر بٹھاتا -

مابعد الطبیعی بنیاد کو استوار کرنے کے بعد وہ اس پر ایک نظام اخلاق مرتب کرتے ہیں اور اس مقام پر انتہائی جذبۂ اعتراف کے ساتھ میں دیکھتا ہوں کہ وہ یونانی اتھکس کی غلامی سے پہلو بچا رہے ہیں، اُس اتھکس کی غلامی سے جس میں دوّانی جیسے لوگ جا پھنسے اور جس کا اچھا خاصا اثر امام غزالی تک کے ذہن پر قائم رہا - مگر یہ کہنا صحیح نہ ہو گا کہ شاہ صاحب اس اتھکس کے اثر سے بالکل آزاد ہو چکے تھے -

نظام اخلاق پر وہ ایک اجتماعی فلسفہ (Social philosophy) کی عمارت اٹھاتے ہیں جس کے لیے انہوں نے ارتفاقات کا عنوان تجویز کیا ہے، اور اس سلسلہ میں تدبیر منزل، آداب معاشرت، سیاست مدن، عدالت، ضرب محاصل (Taxation)، انتظام ملکی اور تنظیم عسکری وغیرہ کی تفصیلات بیان کرتے ہیں، اور ساتھ ہی اُن اسباب پر روشنی ڈالتے ہیں جن سے تمدن میں فساد پیدا ہوتا ہے -

پھر وہ نظام شریعت، عبادات، احکام اور قوانین کو پیش کرتے ہیں اور ہر ایک چیز کی حکمتیں سمجھاتے چلے جاتے ہیں - اس خاص مضمون پر جو کام انہوں نے کیا ہے وہ اسی نوعیت کا ہے جو ان سے پہلے امام غزالی نے کیا تھا، اور قدرتی بات ہے کہ وہ اس راہ میں امام موصوف سے آگے بڑھ گئے ہیں -

---

[1] جو فلسفہ مسلمانوں میں رائج تھا وہ اسلام کے عملی، اخلاقی اور اعتقادی نظام سے کوئی ربط نہ رکھتا تھا، اس وجہ سے اس کا رواج جتنا جتنا بڑھا اسی قدر مسلمانوں کی زندگی بگڑتی چلی گئی، عقیدہ بھی کمزور رہوا، اخلاق بھی ڈھیلے ہوئے اور قوائے عمل بھی سرد ہو گئے - ذہن میں متصادم خیالات کی کشمکش کا یہ طبیعی نتیجہ ہے - اور یہی اثر اب موجودہ مغربی فلسفہ کے رواج سے بھی رونما ہو رہا ہے، کیونکہ وہ بھی کسی طرح نظام اسلامی کی فکری اساس نہیں بن سکتا -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آخر میں انہوں نے تاریخ ملل و شرائع پر بھی نظر ڈالی ہے اور کم از کم میرے علم کی حد تک وہ پہلے شخص ہیں جس نے اسلام و جاہلیت کی تاریخی کشمکش کا ایک دھندلا سا تصور پیش کیا ہے۔

نظام اسلامی کے اس قدر معقول اور اتنے مرتب خاکے کا پیش ہو جانا بجائے خود اس امر کی پوری ضمانت ہے کہ وہ تمام صحیح الفطرت اور سلیم الطبع لوگوں کا نصب العین بن جائے، اور جو لوگ اُن میں سے زیادہ قوتِ عمل رکھتے ہوں وہ اس نصب العین کے لیے جان و تن کی بازی لگا دیں، خواہ اس نصب العین کو سامنے رکھنے والا خود عملاً ایسی کسی تحریک کی رہنمائی کرے یا نہ کرے۔ مگر جو چیز اس سے بھی زیادہ محرک ثابت ہوئی وہ یہ تھی کہ شاہ صاحب نے جاہلی حکومت اور اسلامی حکومت کے فرق کو بالکل نمایاں کر کے لوگوں کے سامنے رکھ دیا، اور نہ صرف اسلامی حکومت کی خصوصیات صاف صاف بیان کیں، بلکہ اس بحث کو بتکرار ایسے طریقوں سے پیش کیا جن کی وجہ سے اصحاب ایمان کے لیے جاہلی حکومت کو اسلامی حکومت سے بدلنے کی جدوجہد کیے بغیر چین سے بیٹھنا محال ہو گیا۔ یہ مضمون حجت میں بھی کافی تفصیل کے ساتھ آیا ہے، مگر ازالہ تو گویا ہے ہی اسی موضوع پر۔ اس کتاب میں وہ احادیث سے ثابت کرتے ہیں کہ خلافت اسلامی اور بادشاہی، دو بالکل مختلف الاصل چیزیں ہیں۔ پھر ایک طرف بادشاہی کو اور ان تمام فتنوں کو رکھتے ہیں جو بادشاہی کے ساتھ مسلمانوں کی حیات اجتماعی میں از روئے تاریخ پیدا ہوئے، اور دوسری طرف خلافت اسلامی کی خصوصیات اور شرائط کو اور اُن رحمتوں کو پیش کر دیتے ہیں جو اسلامی خلافت میں فی الواقع مسلمانوں پر نازل ہو چکی ہیں۔ اسکے بعد کس طرح ممکن تھا کہ لوگ چین سے بیٹھ جاتے۔

سید احمدؒ بریلوی اور شاہ اسمٰعیل شہید

یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب کی وفات پر پوری نصف صدی بھی نہ گذری تھی کہ ہندوستان میں ایک تحریک اٹھ کھڑی ہوئی جس کا نصب العین وہی تھا جو شاہ صاحب نگاہوں کے سامنے روشن کر کے رکھ گئے تھے۔ سید صاحب کے خطوط اور ملفوظات[1] اور شاہ شہیدؒ کی منصب امامت، عبقات

[1] سید صاحب ۱۲۰۱ھ / ۱۷۸۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء (۸۷) میں شہادت پائی۔ شاہ اسماعیل صاحب ۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء میں پیدا ہوئے ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء میں شہادت پائی۔ انقلابی تحریک کی [illegible] ۱۸۵۷ء کے لگ بھگ زمانے ہی میں [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقویۃ الایمان اور دوسری تحریریں دیکھیے - دونوں جگہ وہی شاہ صاحب کی زبان بولتی نظر آئیگی - شاہ صاحب نے عملاً جو کچھ کیا وہ یہ تھا کہ حدیث اور قرآن کی تعلیم اور اپنی شخصیت کی تاثیر سے صحیح الخیال اور صالح لوگوں کی ایک کثیر تعداد پیدا کر دی، اور پھر ان کے چاروں صاحبزادوں نے، خصوصاً شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس حلقے کو بہت زیادہ وسیع کیا، یہاں تک کہ ہزارہا ایسے آدمی ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئے جنکے اندر شاہ صاحب کے خیالات نفوذ کیے ہوئے تھے، جنکے دماغوں میں اسلام کی صحیح تصویر اتر چکی تھی، اور جو اپنے علم و فضل اور اپنی عمدہ سیرت کی وجہ سے عام لوگوں میں شاہ صاحب اور انکے حلقہ کا اثر قائم ہونے کا ذریعہ بن گئے تھے - اس چیز نے اُس تحریک کے لیے گویا زمین تیار کر دی جو بالآخر شاہ صاحب ہی کے حلقہ سے، بلکہ یوں کہیے کہ انکے گھر سے اٹھنے والی تھی -

سید صاحب اور شاہ صاحب دونوں روحاً و معنیً ایک وجود رکھتے ہیں، اور اس وجود متحد کو میں مستقل بالذات مجدد نہیں سمجھتا بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تجدید کا تتمہ سمجھتا ہوں - ان حضرات کے کارنامے کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) انہوں نے عامۂ خلائق کے دین، اخلاق اور معاملات کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا، اور جہاں جہاں ان کے اثرات پہنچ سکے وہاں زندگیوں میں ایسا زبردست انقلاب رونما ہوا کہ صحابۂ کرام کے دور کی یاد تازہ ہو گئی -

(۲) انہوں نے اتنے وسیع پیمانے پر، جو انیسویں صدی کے ابتدائی دور میں ہندوستان جیسے بر سر تنزل ملک میں بمشکل ہی ممکن ہو سکتا تھا، جہاد کی تیاری کی، اور اس تیاری میں اپنی تنظیمی قابلیت کا کمال ظاہر کر دیا - پھر غایت تدبر کے ساتھ آغاز کار کے لیے شمالی مغربی ہندوستان کو منتخب کیا جو ظاہر ہے کہ جغرافی و سیاسی حیثیت سے اس کام کے لیے موزوں ترین خطہ ہو سکتا تھا

© rasailojaraid.com